© rasailojaraid.com

خدا پرستی اور مادیت کی جنگ

پروفیسر سید ناظم نقوی، ڈین فیکلٹی دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،

بعض مفکرین کا خیال ہے،

"انسانی تاریخ کی گاڑی اقتصادیات کے پہیوں پر رینگتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے مختلف شعبے ہیں، سیاسی زندگی، اخلاقی زندگی اور عملی زندگی۔ زندگی کے ان تمام شعبوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں جن کا سرچشمہ یہی اقتصادیات ہیں۔ کسی سماج کے سدھارنے کے سلسلے میں کوئی قدم اس وقت تک نہیں اٹھایا جا سکتا، جب تک یہ نہ دیکھا جائے کہ اس کے درمیان پیداوار کے ذرائع کیا ہیں اور ان کا کیا ڈھنگ ہے۔ اس کی اقتصادی حالت کیا ہے، اس کے سوتے کس قسم کے ہیں۔ اس کے بعد کوئی ایسا مسلک معین کیا جا سکتا ہے جو اس کے لیے ہر طرح مناسب ہو، کیونکہ اسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ صحیح علمی اصولوں کے مطابق کسی بھی سماج کی خرابیوں کو دور کیا جائے اور ملک و قوم ترقی کے راستے پہ گامزن ہو۔ خلاصہ انسانی تاریخ، یعنی ذرائع پیداوار کی تاریخ ارتقاء"

اس بات کا کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ مادی اسباب اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ سماج کے مختلف حالات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقتصادیات مؤثر اور کارفرما ہیں۔ لیکن سوچنے کے قابل یہ بات ہے کہ انسانی تاریخ کے عظیم الشان چکر کو چلانے والی، گوناگوں عقائد و افکار کو وجود میں لانے والی، تمام مختلف انسانی سماجوں کے آگے بڑھنے کے لئے راستہ مقرر کرنے والی، تمام پیچیدہ تاریخی واقعات کو نمایاں کرنے والی چیز کیا ہے؟ وہ صرف اقتصادیات ہیں یا اس کی تشکیل بہت سی چیزوں نے مل کر کی ہے۔ ان میں سے کچھ مادی ہیں اور کچھ غیر مادی۔ اس مرکب کا ایک جز اقتصادی حالات اور ذرائع پیداوار کے کیفیات بھی ہیں؟

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ جو لوگ ان عظیم تبدیلیوں کا سبب صرف اقتصادی تعلقات اور ذرائع پیداوار کے طریقوں کو قرار دیتے ہیں، وہ اس شخص کے مانند ہیں جو احساس کی ان تمام طاقتوں میں سے جو کسی مکمل انسان کے پاس ہوتی ہیں فقط دیکھنے کی قوت کا مالک ہو اور اس کی مدد سے بھی وہ فقط قریب کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے۔ بدیہی بات ہے کہ ایسے شخص کے معلومات بیرونی دنیا کے سلسلے میں بہت معمولی اور محدود ہوں گے۔

اگرچہ یہ عبارت ہے کہ جو لوگ ان کے متعلق کہنا پڑتا ہے کہ جنہوں نے اس وسیع دنیا کی تمام حقیقتوں کو اقتصادی ماحول کے چھوٹے سے دائرے میں محدود کر دیا ہے کہ انھوں نے اس عالم وجود کی انتہائی ضخیم کتاب کا فقط ایک ورق، بلکہ ایک صفحہ پڑھا ہے، درانحالیکہ وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ عظیم کتاب بس اسی ایک صفحہ پر مشتمل ہے۔

اسی دنیائے علم میں ایسے وسیع الاطلاع لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے اس عالم وجود کی عظیم کتاب کے بہت سے اوراق پڑھ ڈالے ہیں، البتہ جہاں تک انھیں انسانی عقل و دماغ نے اجازت دی ہے۔ انھوں نے اس دنیائے وجود کے پہچاننے اور سمجھنے کے سلسلے میں اپنے ان تمام حواس اور طاقتوں کا سہارا لیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو انھیں کسی مہربان ہستی نے عطا کئے ہیں۔ اس کے باوجود انھیں اقرار ہے کہ اس عالم ہستی کی بہت سی حقیقتیں ابھی پردۂ خفاء کے پیچھے ہیں، کیونکہ تمام حقیقتوں کا جاننا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان کی زیادہ تعداد وہ ہے جس پر اس نے سوالیہ نشان بنا دیا ہے، بلکہ ان کی طرف اسے ابھی توجہ نہیں ہوئی ہے۔ اگرچہ انسان کو امید ہے کہ مستقبل میں کبھی وہ وقت آئے گا جب اس کا دماغ قابلِ توجہ حد تک ان معموں کو حل کرے گا، لیکن البتہ اسے یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ حد کیا ہوگی، وہ وقت بھی معلوم نہیں ہے کہ جب حقیقتوں کے دلکش چہرے سے جہالت کے یہ گہرے پردے ہٹیں گے۔

اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انسان کے موجودہ معلومات کے علاوہ دوسری حقیقتوں کے وجود کا انکار متانت اور سنجیدگی کے خلاف ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ جہالت کی افسوسناک علامت ہے جس کا سرچشمہ تکبر و غرور ہے، عالم وجود کے بھید دل سے اجنبیت ہے، انسانی معلومات کی قدر و قیمت سے ناواقفیت ہے۔

بڑے بڑے فلاسفر اور دانشوروں کی نظر میں یہ عالم وجود ایک عظیم سمندر کی طرح ہے جس سے ہر شخص اپنے علم و عقل کے ظرف کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے لیکن کسی کو بھی اس کے کناروں کا پتہ نہیں ہے اتنا بھی کوئی نہیں جانتا کہ اس کا کوئی ساحل ہے یا وہ ناپیدا کنار ہے۔

اب ہر منصف مزاج اور سلیم الطبع شخص خود فیصلہ کرے کہ یہ تنگ نظری ہے یا نہیں کہ تمام پیچیدہ تاریخی حقیقتوں کو کسی محدود دائرے کے حصار میں قیدی بنا لیا جائے، اس عظیم اور وسیع دنیائے رنگ و بو کی واقفیت کا اندازہ صرف ذرائع پیداوار کے ڈھنگ اور اقتصادی حالات کے ساتھ کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[illegible] انسان کے جسم و روح کے امتیازی خصوصیات [illegible]
[illegible] اتفاق یا کسی بھی جہان کا مکمل ہو تو ہو سکے گا یا [illegible] تاریخی واقعات
[illegible] سیاسی، اقتصادی، فنی، علمی، فکری اور سماجی تبدیلیوں کے اسباب بعد
[illegible] کا پتہ نہیں چل سکتا، کیونکہ ان کا حقیقی سرچشمہ انسان کے جسمانی
[illegible] امتیازی خصوصیات ہیں۔

[illegible] سیدھی سادھی لفظوں میں یوں کہا جائے کہ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کا
[illegible] چکر انسان کی شخصیت پر گھومتا ہے، اس لئے اگر صحیح طور پر انسان
[illegible] جائے گا تو تاریخ کے متعلق ہمارا فیصلہ ہرگز درست نہیں ہو سکتا ہے
[illegible] یہ پتہ چلتا ہے کہ بعض دانشوروں اور مفکرین سے کیا چوک ہوگئی ہے۔
[illegible] نہیں کر سکتے کہ انھوں نے انسان کے تمام جسمانی اور روحانی خصوصیات
[illegible] لیا ہے۔ انھوں نے یہ خیال کیا ہے کہ انسان ایک خودکار (AUTOMATIC)
[illegible] کے مانند ہے جس کو بجلی یا پٹرول وغیرہ کے بجائے اس کا جذبہ خودغرضی چالو کرتا
ہے، مقصود یہ ہے کہ جس طرح بڑے بڑے کارخانوں کے چکر بجلی کا بٹن دباتے ہی
[illegible] گھومنے لگتے ہیں، وہ مسلسل حرکت کرتے رہنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں، اسی طرح
انسان چونکہ فطری طور پر اپنا ذاتی فائدہ چاہتا ہے، اس لئے یہی جذبہ اسے ہاتھ پیر
ہلانے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کے ساتھ چونکہ وہ چاہتا ہے کہ تھوڑی سی محنت و مشقت
کر کے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے، اس لئے خواہ مخواہ اسے یہ فکر دامن گیر ہوتی
ہے کہ وہ آمدنی اور پیداوار کے ان ذرائع کو مکمل کرے جن کے سہارے وہ قدرتی
[illegible] فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روز بروز پیدا کرنے والی
طاقتوں کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ وہ ناقص اور سیدھے سادے درجوں سے
[illegible] پیچیدہ اور زیادہ مکمل منازل تک پہنچتی ہے۔ ان تبدیلیوں کے [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیچھے تمام سماجی حالات میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ ہے ان مطالب کا نچوڑ جو بعض مفکرین نے اپنی بہت سی کتابوں کے اندر بڑی لمبی لمبی عبارتوں کے ساتھ کافی بڑھا چڑھا کر درج کیا ہے۔ اس طرح انھوں نے تاریخی واقعات کے اسباب کا معمہ حل کرنے کی قابل قدر کوشش کی ہے۔ اس بنا پر انھوں نے جس طرح غور و خوض کیا ہے، اس کے مطابق انسانی تاریخ کے پس منظر میں انہی ذرائع پیداوار کی مسلسل تاریخ ہے۔

لیکن اس حقیقت سے کبھی چشم پوشی نہ کرنا چاہیے کہ انسانی شخصیت کی تشکیل دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک اس کی جسمانی ساخت ہے جو اسی کی ذات سے مخصوص ہے، جس نے اس کو اس کے دوسرے ہم جنس لوگوں سے جدا کر دیا ہے، دوسرے اس کے مخصوص جذبات ہیں جن کا اس کی زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل دخل ہے۔

اس وقت ہمیں اس سے مطلب نہیں ہے کہ انسان کی روح مادی چیز ہے یا غیر مادی چیز؟ وہ اسی مادے کے خواص میں سے ہے یا مادّے سے بالکل علیحدہ ہے؟ یہ روح جو کچھ بھی ہو، بہر حال وہ مخصوص حالات اور امتیازات کی مالک ہے جنہیں "فطری جذبات" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جن کا انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں غیر معمولی طور پر دخل ہے۔ ان جذبات کی تحقیق اور تفتیش ایسے علوم کے ذمہ ہے جن میں روز بروز وسعت پیدا ہو رہی ہے، جو ابھی تک مکمل صورت میں نہیں ہیں، اگرچہ کوئی علم بھی کسی وقت مکمل نہیں ہوتا ہے۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ان فطری جذبات کی فہرست میں ایک اہم جذبہ خود غرضی کا نظر آتا ہے، یعنی انسان فطری طور پر فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، لیکن اس کے علاوہ انسان اور دوسرے فطری جذبات کا بھی مالک ہے جن کے انتہائی گہرے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً انسان میں تحصیلِ علم اور تحقیق کرنے کا جذبہ فطری طور پر موجود ہے، ایمان اور عقیدے کی راہ میں قربانی اور فداکاری پیش کرنے کا جذبہ، عدالت و انصاف چاہنے کا جذبہ، اپنی زبان، اپنی نسل، اپنے وطن سے محبت کا جذبہ، دشمن سے انتقام اور بدلہ لینے کا جذبہ، شہرت اور نام و نمود حاصل کرنے کا جذبہ، ریاست قیادت اور سربراہی کا جذبہ۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تمام جذبات انسان کی فطرت کا تقاضہ ہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ انسانی فطرت کے بھٹک جانے کی بنا پر وجود میں آگئے ہوں، لیکن بہرحال یہ جذبات وہ ہیں جو تمام لوگوں یا زیادہ تر اشخاص میں پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے انسانی تاریخ کے صفحہ پر اپنے نمایاں اثرات بطور ایک یادگار کے چھوڑے ہیں۔ ان کے علاوہ افراد انسانی کچھ دوسرے جذبات کے بھی مالک نظر آتے ہیں۔ جو ایک شخص یا کسی ایک طبقہ اور نسل کے ساتھ مخصوص ہیں۔

انسانی زندگی کا راستہ معین کرنے کے سلسلے میں اس قسم کے جذبات کی اثراندازی کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح کے جذبات کی بھی فہرست طولانی ہے۔ مثلاً بہادری، فیاضی، بلندہمتی، انسان دوستی، ایثار، عزتِ نفس اور ان کے مانند دوسرے جذبات۔ یقیناً بالکل انہی کے ہمراہ ناپسندیدہ جذبات کی بھی فہرست دکھائی دیتی ہے۔ ان کے بھی تاریخی تبدیلیوں میں قابلِ توجہ اثرات ہیں۔

اگر مکمل آزادخیالی اور بے تعصبی کے ساتھ مختلف تاریخوں پر باریک بینی کے ساتھ نظر کی جائے تو ان پسندیدہ اور ناپسندیدہ جذبات کی تجلیاں بہت واضح طور سے دکھائی دیں گی، اس طرح سے کہ ان کی کوئی دوسری تفسیر اور تاویل نہیں کی جاسکتی ہے۔ انہیں دیکھ کر ہمیں یقین ہوجائے گا کہ اقتصادی حالات میں یہ دم خم نہیں ہے کہ وہ تمام تاریخی تبدیلیوں کا سرچشمہ قرار پاتی ہیں۔ ذرائع پیداوار کا ڈھنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس قابل نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ تمام پیچیدہ تاریخی واقعات کا سبب بتایا جاسکے۔ تاریخی تبدیلیوں کے اسباب کے متعلق جب زیادہ غور و خوض کیا جاتا تو ذہن انسانی اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ انسان کے غیر مادی جذبات بھی اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تبدیلی کے موثر اسباب میں سے ایک طاقت ور سبب ہیں۔ ایسا سبب کہ جن کے اشارے سے کبھی انسان تیار ہو جاتا ہے کہ جنسی خوشی اپنے تمام مادی فائدوں کو اپنے پیروں سے روند ڈالے اور ان کی کوئی پروانہ کرے۔ اس بات کی سچائی اس وقت واضح طور پر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے کہ جب پچھلے زمانے سے لے کر اس وقت تک سائنس، سیاست اور سماج کی تاریخ کے ایک ایک صفحہ کا مطالعہ کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں میں سے کسی ایک ہی چیز کی تاریخ کے دیکھ لینے سے اس بات کے صحیح ہونے کا اطمینان حاصل ہو جائے، جو کچھ عرض کیا گیا۔ اس میں کسی قسم کا ابہام اور کسی طرح کی گنجلک نہ باقی رکھنے کی غرض سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے جذبات میں سے بعض جذبوں کی کچھ شرح کر دی جاتے، تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ انسانی تاریخ کی رفتار معیّن کرنے کے سلسلے میں ان کا کتنا ہاتھ ہے، نمونے کے طور پر کچھ جذبوں کا ذکر کیا جاتا ہے

۱۔ چھان بین اور کھوج کرنے کا جذبہ

ایک عام آدمی پر غیر جانبدارانہ انداز سے نظر کیجئے آپ دیکھیں گے کہ وہ بچپنے سے یعنی قبل اس کے کہ اس کا شعور پختہ ہو، قبل اس کے کہ اس کی قوت امتیاز مکمل ہو انتہائی بے صبری سے اس دنیا کے بھیدوں کی کھوج کرنا اور اس کے رازوں کا پتہ چلانا چاہتا ہے۔ جو چیز بھی اس کو ہاتھ لگتی، جسے بھی وہ دیکھتا ہے، جھپٹ سے اٹھا لیتا اور اسے الٹ پلٹ کے دیکھتا رہتا ہے، کبھی اگر اسے منہ میں رکھ سکتا تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھ دیتا، کبھی اس کو زمین پر پٹک دیتا، کبھی اسے اپنے ہاتھ میں ہلانے لگتا، بالآخر جب تک اپنی چھوٹی سی عقل کے مطابق اچھی طرح اس کے خصوصیات جان نہیں لیتا کسی طرح نچلا نہیں بیٹھتا ہے۔

عموماً خیال کیا اور کہا جاتا ہے کہ بچے بہت کھلاڑی ہوتے ہیں اور انھیں معمولی معمولی چیزوں سے بہلایا جاسکتا لیکن اگر ہم تھوڑا سا غور کریں تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ ان کے یہی طفلانہ کام تجربات اور آزمائشوں کا ایک طویل سلسلہ ہیں جن کے ذریعہ انھیں باہری ماحول کے بہت سے بھیدوں کا پتہ چل جاتا ہے۔ ان تجربات کا اصلی محرک یہی چھان بین اور کھوج کرنے کا جذبہ ہے۔

اگر کبھی کوئی نئی آواز بچہ کے کان میں آتی یا وہ کسی نئی چیز کو دیکھتا تو فوراً اس کی کھوج کرنا چاہتا ہے اور جب تک اس آواز کے سبب اور اس نئی چیز کے خصوصیات کا پتہ نہیں چلا لیتا اس کو چین نہیں آتا ہے، ہمیشہ اپنے ماں باپ اور اپنے آس پاس کے لوگوں سے طرح طرح کی چیزوں کے متعلق پوچھ گچھ کیا کرتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ انھیں اس سے زیادہ باتیں معلوم ہیں۔ یہ کیا چیز ہے؟ وہ کس واسطے ہے؟ ایسا کیوں ہوا؟ کبھی بچوں کے ماں باپ ان کے سوالات سے تنگ آجاتے اور الٹے سیدھے جوابات دینا شروع کر دیتے ہیں، کبھی سختی سے بچوں کو چپ ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

رفتہ رفتہ بچہ سن تمیز کو پہنچ جاتا ہے اب بیرونی دنیا کے متعلق اس کے ابتدائی معلومات مکمل ہو چکتے ہیں۔ کسی دن جب وہ کسی سڑک سے گزر رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ ایک جگہ بہت سے لوگ اکٹھا ہو گئے ہیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس جگہ پہنچ جاتا اور اغل بغل جو لوگ کھڑے ہیں ان سے جلدی جلدی پوچھنے لگتا ہے کہ کیا معاملہ ہے؟ کیا ہو گیا ہے؟ کیوں لوگ اس طرح اکٹھا ہو گئے ہیں بالآخر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے پتہ چلتا ہے کہ ایک بچہ کار سے کچل گیا ہے۔ اتنا معلوم ہو جانے ہی پر وہ قناعت نہیں کرتا، بلکہ دریافت کرتا ہے کہ وہ کس کا بچہ ہے؟ کیونکر کار سے کچل گیا؟ کیا وہ مرگیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ جس شخص پر اپنے ان سوالات کی بوچھار کرتا، اسے غصہ آجاتا، دو ایک جواب دینے کے بعد وہ جب ہو جاتا اور ناراض ہو کر کہتا ہے کہ تم کتنی باتیں کرتے ہو، تمہیں اس سے کیا مطلب ہے۔؟

چند سال اور گزرتے ہیں، بچہ کی جسمانی اور دماغی قوت میں اضافہ ہوتا ہے ایک روز وہ اپنے کسی دوست سے سنتا ہے کہ فلاں دور و دراز مقام پر ایک بالکل نیا اور اہم حادثہ پیش آگیا ہے، وہ ایسی جگہ ہے جس سے اس کا مادی لحاظ سے کوئی معمولی سا بھی تعلق نہیں ہے، یہ سن کر فوراً اس لڑکے کا جی چاہنے لگتا ہے کہ اُسے اُس کی بابت کچھ زیادہ پتہ چلے۔ وہ ان اخبارات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جن میں اس حادثہ کی روداد درج کی گئی ہے۔ ریڈیو کی خبریں سنتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ کچھ زیادہ معلوم ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ جب تک وہ اپنے خیال کے مطابق اس خبر کی تہ تک نہیں پہنچ جاتا، اطمینان کی سانس نہیں لیتا ہے۔

اس دوران میں اس لڑکے نے اپنی کلاسیکل (CLASSICAL) ابتدائی تعلیم کے تمام مراحل طے کر لئے۔ اب وہ چاہتا ہے کہ تخصص اور کسی ایک فنی شعبے میں مہارت حاصل کرے۔ اس کا باپ اس سے دریافت کرتا ہے کہ بیٹے! تم کس شعبے کو پسند کرتے ہو۔؟

میں چاہتا ہوں کہ علم ہیئت اور استارہ شناسی (ASTRONOMY) میں مہارت حاصل کروں مجھے آسمان سے متعلقہ امور سے بڑی دلچسپی ہے۔

بالآخر وہ لڑکا بڑے شوق سے اس فن کو حاصل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کی راتیں یوں گزرنے لگیں کہ وہ طاقتور دوربینوں کے پیچھے بیٹھ جاتا اور ستاروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ے مخصوص، امتیازی کا پتہ چلانے کی کوشش کرتا ہے، ایسے ستارے جن کا ہم لوگوں سے فاصلہ بہت غیر معمولی ہے، ہزاروں سال نوری وہ ہم سے دور ہیں۔ اس کی پوری کاکوشش یہ رہنے لگی کہ ان ستاروں کا وزن، ان کا حجم (VOLUME) ان کے مدار (ORBIS) ان کے زمین سے فاصلوں کو حساب اور ریاضی کے دقیق (TZINUFE) فارمولے بنابنا کے معین کر دے۔

وہ چاہتا ہے کہ یہ پتہ چلالے کہ یہ مٹیالے رنگ کی کہکشاں کیا چیز ہے جو راتوں کو آسمان پر دکھائی دیتی ہے؟ آیا ہر کہکشاں اپنی جگہ پر بنی بنائی ایک مستقل دنیا ہے یا وہ ایک عالم ہے جو وجود میں آرہا ہے؟ وہ دنیا ہماری اس دنیا کے مانند ہے یا اس سے مختلف ہے؟ وہ مسلسل اسی قسم کے سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے سوچتا رہتا ہے۔ لیکن اسے اپنی اس محنت میں لطف آتا ہے وہ اپنی مشغولیت سے خوش اور مطمئن رہتا ہے۔ وہ یہ بخوبی جانتا ہے کہ ان ستاروں کا اس کی اور اس کے ہم جنس لوگوں کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ اس میں بالکل کوئی اثر نہیں کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جس ستارے کے خصوصیات معلوم کرنا چاہتا ہے اور زمین سے بہت دور جس کو سمجھ رہا ہے ہزاروں برس پہلے فنا ہو چکا ہو، یہ اس کی پھیلی روشنی اور کرنیں ہیں جو فضا میں پھیلی ہوئی ہیں اور اب بھی ہم تک پہنچ رہی ہیں، انہی سے اس ستارے کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ اس سبب کے باوجود اس لڑکے کا جی چاہتا ہے کہ وہ کسی طرح یہ جان لے کہ اُن انتہائی دور آسمانی مقامات پر کیا ہے اور اس وسیع عالم کے موٹے اور گہرے پردے کے پیچھے کیا اسرار ورموز چھپے ہوتے ہیں۔ اس تحقیقی شربت کا مزہ اس کے منہ میں اتنا میٹھا اور خوشگوار ہے کہ اس کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ اپنی تمام عمر عزیز کو اسی راستے میں صرف کر دے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توجہ کے قابل یہ بات ہے کہ انسانی سماج کے تمام لوگ اس طرح کے اشخاص کے تازہ بتازہ اور نو بنو تحقیقات کے منتظر اور ان کا پتہ چلانے کے مشتاق رہتے ہیں۔ انہیں اُن کی اطلاع پا کر لطف آتا ہے۔

اب ہر منصف مزاج شخص سے یہ سوال کرنے کا محل ہے کہ آخر اس شخص کے لئے کونسا محرک تھا کہ وہ اپنے بچپنے سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک برابر علم و اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے؟ آیا اس کے مادی فائدوں نے، روٹی، کپڑے، گھر اور دوسرے ضروریات زندگی نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ چالیس پچاس کی عمر میں مختلف تجربہ گاہوں کے اندر رہ کر تحقیق اور آزمائشیں کرتا رہے؟ آیا ذرائع پیداوار کے کیفیات اس طالب علم سے فرمائش کرتے ہیں کہ وہ ایسے واقعات کی کھوج کرے جو دور دراز مقامات پر پیش آتے رہتے ہیں؟ انھوں نے اس بچہ کو حکم دیا کہ وہ سڑک پر کھڑے لوگوں سے جا کر پوچھے کہ کیا واقعہ پیش آگیا ہے؟ کار کے نیچے جو بچہ دب گیا ہے، وہ مرگیا یا زندہ ہے؟ آیا اقتصادی حالات نے اس لڑکے کو تیار کیا کہ وہ علم ہیئت (ASTRONOMY) حاصل کرے اور ان عظیم الشان کہکشاؤں کے خصوصیات کی بابت تحقیقات کرے؟

ہوسکتا ہے کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ صحیح فیصلہ نہیں کرسکا تو دوسرے لوگوں نے اس کے کام سے کیوں دلچسپی لی؟ انھوں نے اس کے تحقیقات کی کیوں قدر کی؟

یہی ایک شخص تھوڑی ہے جس کو آسمانی باتوں کے جاننے کا شوق ہے۔ ایک پورا طبقہ ہے جو اپنا پورا وقت چیونٹیوں یا شہد کی مکھیوں کے خصوصیات جاننے میں صرف کر دیتا ہے کسی کو سمندری جانوروں کے حالات معلوم کرنے کا شوق ہے کوئی سالہا سال پرندوں کی بابت معلومات حاصل کرتا ہے۔ کوئی زمین کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھدائیاں کرکے گزشتہ قوموں کے تہذیب و تمدن سے آشنا ہونا چاہتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جس وقت انسان نے یہ محسوس کیا کہ وہ موجودات عالم سے خود فائدہ اٹھا سکتا ہے تو اس نے ان کے دل میں چھپے ہوئے بھیدوں کی کھوج شروع کی۔ تاکہ وہ اس راستے سے اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مختلف قسم کے علوم و معارف حاصل کرنے کا اصلی محرک یہ ہے کہ انسانی فائدے حاصل کرنا اور اپنے ضروریات زندگی کو پورا کرنا چاہتا ہے، کیونکہ انسان کو طرح طرح کے معلومات حاصل کرنے کا شوق اس وقت پیدا ہوا ہے۔ جب اسے اطمینان بخش طریقے سے زندگی بسر کرنے کا مفہوم ہی معلوم نہیں تھا، جب اسے یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ موجودات عالم کا اس کی مادی زندگی سے کیا تعلق ہے یہ باتیں جاننے کے بعد بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسان نے تحصیل علم کے سلسلے میں قسم کے حدود نہیں قائم کئے کہ کونسا علم اس کی مادی زندگی کے لئے مفید ہے اور کس کا کوئی تعلق اس کی مادی زندگی سے نہیں ہے۔ اس کے پیش نظر ہمیشہ "علم برائے علم" کا اصول رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علوم و فنون کی دونوں قسموں نے ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو اور شانہ بشانہ ترقی کی ہے۔

فلسفہ کی حقیقت اور روح بھی غالباً یہی ہے کہ انسان کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہو جائے، شاید فلسفہ کی اس سے بہتر سیدھی سادھی کوئی دوسری تعریف نہیں ہو سکتی کہ وہ انسان کے تحصیل علم کے جذبہ فطری کے تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔

بدیہی بات ہے کہ وہ انسانی تاریخ جس کے بنیادی محرکات کی فہرست میں یہی تحصیل علم کا جذبہ فطری ہو اس تاریخ سے جداگانہ ہے جس کا سرچشمہ ذرائع پیداوار کا ادلتا بدلتا ہوا ڈھنگ اور مختلف طبقات کی باہمی جنگ ہو۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظریات اور عقائد کی راہ میں انسان کے جذبہ فداکاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جاتی ہے۔

۲۔ اپنے نظریات وعقائد کے لئے فداکاری اور قربانی کا جذبہ

گزشتہ اور موجودہ انسانی تاریخ کا جب گہرا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ جس وقت انسان کسی چیز کا معتقد ہو جاتا اور اس پر دل سے ایمان لے آتا ہے تو پھر اس کے راستے میں کسی طرح کی قربانی اور فداکاری سے دریغ نہیں کرتا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ عقیدہ حقیقت کے مطابق ہو یا اس کے مخالف ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی عقیدہ انسان کے مادی فوائد کا بھی باعث بن رہا ہو، لیکن ایسا بھی بہت زیادہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی مخالف سمت میں واقع ہوتا ہے، اس سے وابستگی کی وجہ سے مادی طور پر اسے نقصان پہنچتا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی عقیدے کی بنا پر انسان کو نہ کوئی مادی فائدہ پہنچتا ہو اور نہ اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے۔

ان تینوں صورتوں میں اس عقیدے کا مالک شخص کسی اندرونی تحریک کی بنا پر اپنا فریضہ سمجھتا ہے کہ اپنے آخری قطرۂ خون تک اس راستے میں قربانی پیش کرے، صرف اپنی جان نہیں، بلکہ اپنی اولاد تک کو اپنے عقیدے کے اوپر قربان کر دے اور کسی بڑے سے بڑے اپنے مادی فائدے کی پروا نہ کرے، یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ یہ عقیدہ کوئی مذہبی عقیدہ ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے فلسفی یا سیاسی یا سماجی عقیدے کی راہ میں بھی بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس طرح کا جذبہ بلا استثناء تمام افراد انسانی میں پایا جاتا ہے۔ تاریخ عالم کے صفحات پر اس کے نمونے بڑی کثرت سے بکھرے ہوئے ہیں، مختلف انسانی معاشروں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیان جو خونی انقلابات برابر آتے رہے ہیں، مختلف طبقات کے درمیان جو ہولناک خونریز لڑائیاں ہوتی رہی ہیں، انسان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں جو عظیم الشان تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان سب سے اکثر کا سرچشمہ یہی جذبہ اخلاص ہے۔

ہم برابر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ مختلف طرح کے عقائد و نظریات کے پیرو اشخاص ان کی راہ میں بڑے اخلاص اور بے لوثی کے ساتھ جانی اور مالی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ وہ اسے اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔ صرف ہم نے ہی نہیں، بلکہ مادیت تاریخی کے اصولوں کے طرفداروں نے بھی یقیناً اپنے دوران زندگی میں اس قسم کی بہت سی فداکاریاں دیکھی ہیں، بلکہ اس سے بڑھکر کہا جا سکتا ہے کہ خود انھوں نے بھی اپنے عقائد و نظریات کی راہ میں بڑی گرانقدر قربانیاں پیش کی ہیں اور پیش کرتے رہتے ہیں جن کا سرچشمہ یہی مخلصانہ جذبۂ فداکاری ہے اس کے علاوہ کوئی مادی فائدہ ہرگز نہیں ہے۔

جب قرون وسطیٰ کی تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا تو اس کے صفحات پر ایک عجیب و غریب اور عبرتناک واقعہ نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ ایک ایسی عالمگیر جنگ کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے، جس نے بہت سی تبدیلیاں پیدا کردیں ایسی عظیم جنگ جس کی آٹھ مرتبہ تکرار ہوئی، جس نے دو سو سال سے زیادہ مدت تک طول کھینچا۔ اس جنگ میں ایک طرف عیسائی صف آرا تھے اور دوسری طرف مسلمان [illegible] ایک پہلو کے سے شہر کو حاصل [illegible] جس کا نام بیت المقدس ہے۔

"بیت المقدس" جیسا کہ اس کے نام سے پتہ چلتا ہے ایک ایسا مقام ہے جو مذہبی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ عام طور پر مذہبی اشخاص اسے احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، مسلمان، عیسائی اور یہودی یکساں طور سے اس کو مقدس اور [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتے ہیں۔ اس کی زیارت کر لینا ان کے لئے ایک سعادت اور افتخار ہے، لیکن اس تقدس کے باوجود اپنی مادی اور جغرافیائی حیثیت سے اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔

جن لوگوں کو اس شہر کی جغرافیائی حالت کا پتہ ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ بیت المقدس صرف اپنے مادی اور اقتصادی پہلو سے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قومیں اس کی خاطر ایک دوسرے سے گتھ جائیں اور دنیا کے بادشاہ اس کی طرف توجہ کریں، چہ جائیکہ اس کے لئے آپس میں خون خرابہ ہو اور لاکھوں جانیں تلف ہوں۔

بیت المقدس فلسطین کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ خود فلسطین کی آبادی کل جمع تقریباً بیس لاکھ ہے۔ بیت المقدس کے رہنے والوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

اس مقدس شہر کی آب وہوا بھی خوشگوار نہیں ہے۔ وہاں پانی بھی فراوانی کے ساتھ موجود نہیں ہے بلکہ بعض مقامات پر تو قحط آب ہے، البتہ اس کا مغربی حصہ نسبتاً بہتر اور زرخیز ہے۔ اس میں تمام طرح کے غلے پائے جاتے ہیں، پھل بھی وافر مقدار میں موجود ہیں اس ملک کی بندرگاہوں کے نام، غزہ، یافا، عکا، اور حیفا ہے جنہیں سابق زمانے میں کاروباری لحاظ سے خاص اہمیت حاصل تھی لیکن بیت المقدس کو یہ حیثیت بھی حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ علاقائی سمندر سے بہت دور واقع ہوا ہے۔

جو چیزیں فلسطین سے دوسرے ملکوں میں فروخت کے لئے بھیجی جاتی ہیں وہ بھی زیادہ نہیں ہیں وہ گنتی کی کچھ چیزیں ہیں، جیسے کیلا، برتقال، روغن، زیتون اور بعض کیمیاوی اور سی دوائیں۔

بہر حال اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا کہ صلیبی جنگ (CRUSADE) کا کوئی تعلق بیت المقدس کے چھوٹے سے شہر کی مادی حالت سے نہیں تھا، بلکہ اسں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صرف مذہبی حیثیت اور اہمیت دہ تھی جس کی وجہ سے عیسائی اور مسلمان دونوں قومیں اس سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ اسی کی بنا پر عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان یہ خونریز جنگ ہوئی۔

اس عظیم جنگ اور خونریزی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر سال مغربی قومیں بیت المقدس کی زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں۔ بڑے عرصہ تک عیسائی وہاں بڑی آزادی سے جاتے۔ جب تک چاہتے قیام کرتے اور اپنے طریقہ سے اس کی زیارت کیا کرتے تھے، لیکن جب فلسطین ترکوں کے ہاتھ میں آیا تو انھوں نے سختی گیری سے اس سلسلے میں کام لینا شروع کیا، یہاں تک کہ عرب عیسائیوں کو بھی انھوں نے مستثنیٰ نہیں کیا۔ سب پر پابندی عائد کردی کہ وہ بغیر باقاعدہ ویزا حاصل کئے فلسطین میں نہیں داخل ہو سکتے۔ اعراب کی حکومت کے زمانے میں عیسائی بیت المقدس میں گاتے بجاتے اور اس طرح وارد ہوتے تھے کہ ان کے ہاتھوں میں مشعلیں ہوئی تھیں، لیکن ترکوں نے انھیں مجبور کیا کہ وہ نہایت ذلت کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہوں اور ہر قسم کی سختی ان کے حق میں روا رکھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوری عیسائی قوم نے طے کرلیا کہ وہ بیت المقدس کو کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیں، گے جوان کے حساب سے کفارہ میں شامل تھے۔ بالآخر بیت المقدس کی واگذاری کے لئے رضاکار عیسائیوں کی ایک فوج تیار ہوئی جس کی تعداد تیرہ لاکھ تھی۔ جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے اپنا مختصر سا اثاثہ فروخت کر ڈالا اور بہشت میں اپنا گھر بنانے کی غرض سے یہ فوج مسلمانوں سے مقابلے کے لئے تیار ہوگئی۔ یہ عظیم اور حیرت انگیز لشکر جس کی مثال تاریخ کی نگاہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی فلسطین کو آزاد کرانے کے واسطے روانہ ہوگیا، لیکن یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے اور ان کی اکثریت مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوگئی۔ ان تیرہ لاکھ اشخاص میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے صرف ایک لاکھ مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ کر صحیح وسالم قسطنطنیہ پہنچ سکے۔
ان رضاکاروں سے شکست کھا جانے کے بعد ان کی مدد کے لئے باقاعدہ تربیت یافتہ فوج یورپ کے نامی گرامی جرنلوں کی قیادت میں پہنچ گئی جس کی تعداد سات لاکھ تھی۔ یہ بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی اور اس نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔ عیسائیوں نے جس بے رحمی سے وہاں قتل عام کیا ہے، وہ انتہائی افسوسناک بھی ہے اور شرمناک بھی۔

بہتر ہے کہ عیسائیوں کی اس "مجاہد" فوج کے حیرت انگیز مظالم کا ذکر ایک مسیحی مورخ کی زبانی درج کیا جائے جو خود انکا مذہبی راہنما بھی تھا۔ وہ لکھتا ہے۔

"جس وقت ہماری فوج شہر میں داخل ہوئی تو ایک عجیب وغریب اور خوفناک سماں مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے آدمیوں میں سے کچھ لوگوں کے جسم سے سر جدا کر دیئے گئے ہیں۔ یہ مصیبت بہت معمولی اور ہلکی تھی۔ بعض لوگوں کے سر اور چہرے گولیوں سے چھلنی ہوگئے تھے۔ انھوں نے اپنے کو اونچی اونچی دیواروں سے زمین پر گرا دیا تھا بہت سے زخمی، زخموں سے چور چور زمین پر پڑے ہوئے تھے جنھیں ہم نے آگ میں جلا دیا۔

بیت المقدس کی سڑکوں اور وہاں کے میدانوں میں کٹے ہوئے سروں اور ہاتھوں کے ٹیلے نظر آرہے تھے جن پر چڑھ کر لوگ آجا رہے تھے۔ دس ہزار مسلمان جنہوں نے ایک مسجد میں پناہ لے لی تھی، ان سب کو عیسائیوں نے تہ تیغ کر دیا سلیمان کی پرانی عبادت گاہ میں اس طرح خون بھرا ہوا تھا کہ مقتولین کی لاشیں اس میں غوطے کھا رہی تھیں، بلکہ تیر رہی تھیں، ایسے جسم جن کے سر اور ہاتھ پیر کاٹ ڈالے گئے تھے۔ اسی طرح کٹے ہوئے اعضاء جسم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتنی بڑی تعداد میں اکٹھا ہو گئے تھے کہ تشخیص کرنا اور پہچاننا غیر ممکن ہو گیا تھا، یہاں تک کہ خود عیسائی فوج جس نے یہ سب کچھ کیا تھا مقتولین کے خون کی بو اور بھاپ سے عاجز ہو گئی تھی!"

یقیناً اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عیسائیوں کی اس مذہبی فوج میں ایسے اشخاص بھی شامل تھے جو اپنے حسب دل خواہ طریقے سے زندگی نہیں بسر کر رہے تھے۔ ان کی دلی آرزو تھی کہ ان کا معیار زندگی اونچا ہو۔ وہ اس کے پورا کرنے کے لئے ضرور ادھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ لیکن اس فوج کے زیادہ تر لوگ اپنے اس اقدام کو ایک مقدس مذہبی جہاد سمجھ رہے تھے۔ وہ پورے اخلاص اور بے لوثی کے ساتھ اپنے سر ہتھیلی پر رکھ کر اپنے گھر سے باہر نکل آئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا مقصد دوسروں کی جان لینا ہی نہیں، بلکہ جان دینا بھی تھا۔ انھوں نے مسلمانوں پر جو خلاف انسانیت زیادتیاں کیں، ان کا محرک بھی خالص جذبۂ مذہبی تھا۔ ان عیسائی رضاکاروں اور فوجیوں کی مالی اور مادی حالت عام طور پر اطمینان بخش تھی، وہ اپنی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے واسطے جان دینے اور جان لینے پر تیار نہیں ہو گئے تھے، صرف اپنے معبد بیت المقدس کو "کفار" یعنی مسلمانوں کے نجس اور ناپاک چنگل سے نکالنے کی غرض سے وہ ہر قربانی اور فداکاری کے واسطے تیار ہو گئے تھے۔

© rasailojaraid.com